انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

# ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڑھ - ۸ مئی ۱۹۵۷ء | شمارہ ۱۸

## ہندستانی تھیٹر کا ارتقاء

______ ماماوریکر، ممبر پارلیمنٹ

ہندستان میں تھیٹر کی داغ بیل زمانۂ تاریخ کے قدیم ادوار میں ڈالی گئی تھی اور ہندستانی تھیٹر شاید یونانی تھیٹر سے بھی زیادہ پرانا ہے۔ بہترین علماء اور فضلاء بھاسا کو قدیم ترین ڈراما نگار قرار دیتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ وہ کسی وقت ۵۰۰ سال قبل از مسیح سے لے کر ۵۰ سال قبل از مسیح تک کے زمانے میں ہوئے۔

بھاسا کے بعد کالی داس، بھو بھوتی، وشاکھادت جیسے قابل تمثیل نگاروں نے تھیٹر کو دامن وسیع کیا۔ یہ ترقی کب رک گئی، یہ ٹھیک ٹھیک بتانا مشکل ہے۔

برطانوی حکومت کے قائم ہونے کے بعد اس ملک میں تھیٹر کو ایک نیا پیغام ملا اور اس کی تجدید کی گئی۔ یہ سن کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ ایک روسی شخص تھا جس نے ۱۷۹۵ء میں ایک انگریزی ڈرامے کا ترجمہ بنگالی میں کیا اور اسے اسٹیج پر پیش کر کے تھیٹر کی تحریک کی رفتار تیز کی۔ قریب قریب اسی وقت تنجاور میں ایک ہلکی سی روشنی نظر آئی۔

اس ریاست کے مراٹھا حکمران نے خود ایک ڈراما لکھا اور اسٹیج پر پیش کیا۔ اس کے بعد تامل زبان میں ڈرامے لکھے گئے اور اس حکمران کی سرگرم سرپرستی میں کھیلے گئے۔ تھیٹر کی اس تجدید کے زمانے میں ہی کنڑ تھیٹر کی بھی ترقی ہوئی۔

ان زندگی بخش ہواؤں نے ۱۸۴۳ء میں مراٹھی تھیٹر میں بھی ایک نئی روح پھونکی۔ اس کے دس برس بعد بمبئی میں گجراتی تھیٹر اور اردو تھیٹر کی بنیادیں مستحکم ہوئیں۔

ہندی جو بہار اور بنگال کی علاقائی زبان تھی، کسی بھی وقت تھیٹر کا کوئی نام و نشان نہیں تھا چنانچہ ایک سو سال پہلے جب ڈراما نگار بھارتیندو ہریش چندر نے اپنی ایک روایت قائم کرنے کی کوشش کی تو اس کو ناکام ہونا ایک یقینی بات تھی۔ لہٰذا ہندی تھیٹر کی "اہلیہ" اسی وقت سے اپنے "رام" کی منتظر تھی کہ وہ آئیں اور اس کی پتھر کی بے جان صورت میں جان ڈالیں۔

ان باتوں کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ صرف بنگال اور مہاراشٹر نے ہی اپنے یہاں تھیٹر کی مکمل ترقی کا زمانہ دیکھا۔ اس سلسلے میں گجرات کا نمبر تیسرا ہے۔ جہاں تک اردو تھیٹر کا تعلق ہے یہ دراصل مہاراشٹر کا ہی بچہ تھا۔ کیونکہ اس کا جنم بمبئی میں ہوا تھا لیکن اس کی پرورش پارسیوں کے ہاتھوں ہوئی۔ جو گجراتی بولتے تھے اس میں زیادہ تر دوسری زبانوں کے ڈراموں کے ترجمے پیش کیے جاتے تھے۔ شاندار منظر کشی اس کی ایک بڑی خصوصیت تھی جو بعد میں گجراتی تھیٹر میں بھی نمایاں اہمیت اختیار کر گئی۔ اس کے علاوہ اردو اور گجراتی اسٹیج کے بہت سے فن کار مراٹھے تھے۔ بہرکیف مراٹھی تھیٹر ان دونوں سے زیادہ آگے تھا۔

اس ضمن میں سب سے پہلے بنگال نے ترقی کی۔ بنگالی تھیٹر کے لیے مضبوط بنیاد گریش چندر گھوش نے بنائی جو بیک وقت اداکار بھی تھے، پروڈیوسر بھی اور تمثیل نگار بھی انھوں نے متعدد بنگالی ڈرامیٹک کمپنیاں شروع کیں۔ انھوں نے ۸۰ ڈرامے لکھے۔

انھوں نے نظم میں بھی ڈرامے لکھے اور نثر میں بھی، مزاحیہ ڈرامے بھی لکھے اور طنزیہ بھی۔ انھوں نے اس میدان میں آزاد شاعری سے بھی استفادہ کیا اور اسے "گیرشی چھند" کے نام سے موسوم کیا۔ دوسرے تمثیل نگاروں کی تربیت بھی گریش بابو کے انداز میں ہوئی چنانچہ ان کی روایت برقرار رہی۔

گزشتہ ۱۵ برس میں ایک نیا شخص "بہادری" اس میدان میں حاوی ہو گیا ہے۔ اس نے اس روایت کی تجدید نو کی کامیاب

کوشش کی ہے اور اس میں اور مغربی تھیئٹر میں یک رنگی پیدا کردی ہے لیکن میری رائے تو یہ ہے کہ اگرچہ بھارت میں بنگالی تھیئٹر کی بنیاد دوسرے علاقائی تھیئٹروں کی بہ نسبت زیادہ مضبوط ہو گئی ہے تاہم ابھی تک اسے ایک ایکٹ اور ایک سین کے ڈراموں میں مہارت حاصل نہیں ہوئی۔

اس کے مقابلے میں مراٹھی تھیئٹر نے بہت ترقی کی ہے اس کا آغاز مذہبی ڈراموں سے ہوا تھا لیکن اس کے بعد جلد ہی یہ دو شاخوں میں منقسم ہو گیا۔ ایک نثر کی اور دوسری سنگیت کی۔ نثر کے ڈراموں کی بنیاد شکسپیئر کے ڈراموں کے تراجم تھے جبکہ سنگیت ناٹک کالی داس کی تصانیف کے ترجمے تھے۔ دوسروں کی تصانیف پر یہ انحصار بھی جلد ہی ختم ہو گیا اور مراٹھی میں طبع زاد ڈرامے لکھے جانے لگے۔ یہ وہ دور تھا جب مترجم ڈراموں کو پسند نہیں کیا جاتا تھا۔

بنگال کی تقسیم کو ختم کرانے کی تحریک میں تھیئٹر نے ایک اہم پارٹ ادا کیا۔ اس نے عوام میں بیداری پیدا کرنے کے لئے ایک اچھے ہتھیار کا کام کیا۔ ڈرامے پر پابندی بھی سب سے پہلے بنگال میں لگائی گئی۔ اور اس کے بعد یہ علم مراٹھی تھیئٹر نے بلند کیا لیکن بنگال اس سلسلے میں ثابت قدم ثابت نہیں ہوا اور جلد ہی میدان سے ہٹ گیا چنانچہ اس کے بعد صرف مہاراشٹر ہی نے ڈرامے کا استعمال عوامی ایجی ٹیشن کے ایک ذریعے کے طور پر کیا اور تا حال اس معیار کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ مراٹھی تھیئٹر کو ہمیشہ تجربوں کا شوق رہا ہے اور انہی کی بدولت اس نے کافی ترقی بھی کی ہے۔

جب ملک میں فلم انڈسٹری کا دور دورہ شروع ہوا تو اردو تھیئٹر تو بالکل ہی تباہ ہو گیا۔ البتہ مراٹھی اور گجراتی تھیئٹر کسی طور زندہ رہے یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ اس سخت دھکے کے باوجود یہ برابر نئے تجربے کر رہے ہیں۔

گزشتہ چالیس برسوں میں مراٹھی تھیئٹر کی بہت توسیع ہوئی لیکن مراٹھی تھیئٹر کو کبھی بھی محض تفریح کا ذریعہ نہیں سمجھا گیا اس نے اخبارات سے بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ آزادی کے کاز کی خدمت کی اور لوگوں میں غیر ملکی حکومت کے خلاف جذبہ پیدا کیا اس طرح تھیئٹر کی ترقی خاص کر ان لوگوں کی مرہون منت ہے جنہوں نے جدوجہد کو اپنا شیوہ بنایا۔ اس کے نتیجے کے طور پر مراٹھی کے ڈراما نگاروں اور تھیئٹریکل کمپنیوں کو حکومت کی زیادتیوں کا شکار بھی بننا پڑا تھا مگر مراٹھی تھیئٹر ٹس سے مس نہ ہوا اور برابر اپنے دم پر قائم رہا۔ اس نے جدوجہد کی جو قسم کھائی تھی وہ اتنی مقدس تھی کہ چھوڑی نہیں جا سکتی تھی۔ اس کے برعکس گجراتی تھیئٹر سرمایہ داروں کے تابع رہا۔

حال ہی کے چند برسوں میں تھیئٹر کو تعلیمات عامہ کا ایک ذریعہ بنانے کی کوششیں کی گئیں ہیں مگر قدامت پسندی کی جڑیں اتنی مضبوط ہیں کہ تھیئٹر کی نوعیت میں کوئی فوری تبدیلی ممکن نہیں ہے۔

یہ غالباً اڑیسہ اور بنگال کے درمیان گہرے تعلق کا اثر ہے کہ اڑیسہ میں تھیئٹر کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مگر ابھی یہ اپنے ابتدائی دور میں ہے۔ یہی بات آسام کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ البتہ منی پور میں اس کی اپنی تھیئٹر کی شاندار روایات موجود ہیں اگرچہ اسے کسی بھی طرح جدید نہیں کہا جا سکتا۔ پھر بھی یہاں لوگوں میں اداکاری کا جوہر موجود ہے کیونکہ منی پور ہندوستانی رقص کا ایک اہم ترین مرکز رہا ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں تکنیک کا پرانا پن ایک موثر ڈراما پیش کرنے کی راہ میں رکاوٹ ثابت نہیں ہوا ہے۔

اگر دیکھا جائے تو بھارت میں قدیم ترین تھیئٹر کا مرکز دکن میں رہا ہے لیکن وہاں اسے زیادہ ترقی نصیب نہیں ہوئی ہے۔ چونکہ دکن میں کنڑ، تیلگو، تامل اور ملیالی اسٹیجوں پر موسیقی کا ضرورت سے زیادہ استعمال کیا گیا ہے اس لئے تھیئٹر پر موسیقی ہی موسیقی حاوی ہے اور اداکاری کی اہمیت ختم سی ہو گئی ہے۔ آج کل جن جدید ناٹکوں کا چرچا عام ہے ان میں فلم تکنیک کا ہوشیاری سے استعمال کیا گیا ہے۔ مگر اس سے تھیئٹر کے زوال و انتشار کی رفتار ہی تیز ہوگی اور کچھ نہیں ہوگا۔

ہندی ہماری قومی زبان بن گئی ہے اور صرف یہی اپنے اندر ۱۴ زبانوں کے ادب کو سمو کر ہمارے اندر ایکے اور اتحاد کا احساس پیدا کر سکتی ہے۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس ادب کے پرچار کے لئے ڈراما ایک موثر ترین ذریعہ ہے۔

اس ضمن میں آل انڈیا ریڈیو نے ایک اچھے سلسلے کا آغاز کیا ہے۔ چنانچہ مختلف زبانوں کے ڈرامے بیک وقت ملک کے تمام ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر کئے جاتے ہیں۔ یہ چیز یقیناً قابل تعریف ہے۔ کیونکہ اس سے علاقائی تھیئٹروں کے درمیان باہمی تبادلے کی رفتار تیز ہو گی اور تھیئٹر کی ترقی کا سلسلہ جاری رہے گا مگر محض یہ اقدام کافی نہیں ہے ہمیں ایک نئی قومی زبان میں ایک نئے تھیئٹر کی تعمیر کرنی ہے

(باقی ص ۱۲ پر ملاحظہ کیجئے)

## اردو کانفرنس

انجمن ترقی اردو ہند کی مجوزہ اردو کانفرنس علی گڑھ میں ۳۰، ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء کو منعقد ہوگی

پروگرام عنقریب شائع ہوگا اور مدعو حضرات کی خدمت میں بھیجا جائے گا۔

ہماری زبان

۸ مئی ۱۹۵۷ء

# جنگ آزادی یا غدر

ایک طرف ۱۸۵۷ء کی شورش کی یادگار منانے کے لئے عوام اور حکومت دونوں پروگرام بنا رہے ہیں، دوسری طرف کچھ مورخ یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ محض سپاہیوں کی بغاوت تھی اور اس کے پیچھے کوئی قومی جذبہ یا ملکی تحریک نہ تھی۔ ابھی حال میں ڈاکٹر آر سی مجمدار کی کتاب کے متعلق کچھ خبریں اور کچھ تبصرے شائع ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی رائے پر صحیح تنقید تو کتاب دیکھ کر ہی کی جاسکتی ہے مگر تبصروں سے ان کی رائے کا کچھ اندازہ ضرور ہوتا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ بہادر شاہ، نانا صاحب، رانی جھانسی یا تانتیا ٹوپی قومی ہیرو نہیں کہے جاسکتے۔ ان لوگوں نے حالات سے مجبور ہوکر انگریزوں کے خلاف لڑائی لڑی۔ شورش زیادہ تر سپاہیوں تک محدود تھی جس میں آخر میں کچھ فوجی افسر اور کچھ بددل راجہ یا نواب شامل ہوگئے تھے۔ اور نہ صرف سکھ اس سے علیحدہ رہے بلکہ بنگال، بہار، اترپردیش، دہلی اور پنجاب کے کچھ حصے کے سوا باقی ملک کے باشندے انگریزوں کے ساتھ رہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس ہنگامے کے پیچھے کوئی باقاعدہ سازش یا سوچی سمجھی اسکیم بھی نہ تھی۔ غرض وہ اس شاندار واقعے کو صرف ایک محدود شورش یا بغاوت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس وقت تک وہ قومی شعور پیدا نہیں ہوا تھا جو انیسویں صدی کے آخر کا عطیہ ہے لیکن انگریزوں کے خلاف نفرت کافی نمایاں تھی۔ اول تو وہ ریاستیں بددل تھیں جن کا زبردستی برطانوی حکومت میں انضمام ہوگیا تھا۔ پھر انگریزی افسروں کا رویہ ہندوستانیوں کے ساتھ بڑا ناروا تھا۔ سرسید نے اسباب بغاوت ہند میں اس کی تشریح کی ہے۔ نیز علماء مذہبی اور سیاسی دونوں پہلوؤں سے انگریزی حکومت کو برا سمجھتے تھے۔ ہندوستان کی دولت انگلستان پہنچ رہی تھی اور ملک مفلس ہورہا تھا۔ دیسی ریاستیں اگرچہ زوال کا شکار تھیں مگر وہ ایک تہذیبی رول بھی ادا کر رہی تھیں اور ان کے ساتھ ایک وفاداری کا جذبہ بھی قدرتی طور پر موجود تھا۔ اس لئے جب یہ بیزاری کارتوسوں کے واقعے سے پھوٹ پڑی تو اسے مناسب ہوا اور فضا مل گئی۔ اگر ہندوستانی آپس میں بٹے ہوئے نہ ہوتے اور انگریزوں کو بجائے ایک ایک کرکے ہر صوبہ فتح کرنے کے دہلی میں باغیوں کی متحدہ طاقت سے مقابلہ کرنا پڑتا، اگر باغیوں کی قیادت زیادہ ذہین، باقاعدہ اور متحد ہوتی تو شاید حالات دوسرے ہوتے۔ بہادر شاہ، رانی جھانسی، نانا صاحب یا تانتیا ٹوپی ہیرو نہ سہی مگر انہوں نے بہرحال ایک تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ ان کے ساتھ مقامی تہذیبی اور تاریخی روایات تھیں۔ ان روایات نے انہیں اس طوفان میں ایک نمایاں حیثیت دے دی۔ باغی سپاہیوں نے بلاشبہ بعض مقامات پر بڑی بربریت کا مظاہرہ کیا، مگر انگریزوں نے جو ایک مہذب قوم کہلاتے ہیں، اس کے جواب میں جو کچھ کیا وہ بھی بڑا شرمناک ہے۔ دراصل ۱۸۵۷ء کے واقعات کو آج کے معیاروں سے نہ دیکھنا چاہئے بلکہ اس زمانے کے مخصوص رجحانات کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ یہ شورش ناکام رہی مگر اس کی وجہ سے ہندوستانی قوم کا تصور ابھرا۔ اسی نے بالآخر ہندوؤں اور مسلمانوں کو محض مذہبی بنیادوں سے بلند ہوکر سیاسی مقاصد کی خاطر متحد ہونے کا درس دیا۔ اس نے یہ دکھا دیا کہ عوام اگر جوش میں آجائیں تو کیا قیامت برپا کرسکتے ہیں۔ اس لئے اس واقعہ کی یادگار منانا اور اس سے اپنی قومی اور ملکی جدوجہد کی تاریخ شروع کرنا بالکل فطری ہے۔ تاریخ صرف واقعات کی کھتونی کا نام نہیں ہے ان واقعات کے پیچھے جو اثرات چھپ کر رنگ دکھاتے ہیں ان کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ اس جائزے میں چند واقعات کی صحت کرنا کافی نہیں پوری تاریخ کے بہاؤ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

## انجمن کی کانفرنس

انجمن کی کانفرنس کے دعوت نامے جاری ہوچکے ہیں۔ یہ کانفرنس ۲۰ اور ۲۱ جولائی کو علی گڑھ میں منعقد ہوگی۔ اس موقع پر اردو کو علاقائی زبان بنانے کے لئے آئندہ اقدامات پر غور کیا جائے گا۔ انجمن کی تنظیم کو اور مضبوط کرنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کی جائیں گی۔ اردو رسم خط کے متعلق کمیٹی کی رپورٹ پر غور ہوگا۔ اردو لغت کی اسکیم کی تفصیلات ملک کے سامنے پیش کی جائیں گی۔ کانفرنس میں شرکت کے لئے شاخوں کے نمائندوں، ممتاز ادیبوں اور شاعروں، اہم صحافیوں اور ناشروں کو دعوت دی گئی ہے۔ کانفرنس کی ضرورت اور اہمیت کا احساس عام ہے اور ہمارے پاس نہایت امید افزا خط آئے ہیں۔ اس موقع پر علاوہ زبان کی بقا اور ترقی کے مسائل پر غور کرنے کے، کچھ اہم ادبی مباحث کا جائزہ بھی لیا جائے گا۔ کانفرنس کے افتتاح کے لئے جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سے درخواست کی گئی ہے۔ جو انجمن کے صدر رہ چکے ہیں اور ان کی رہ نمائی

یہ یو۔ پی میں علاقائی زبان کی تحریک چلائی گئی تھی۔ جلسہ کی صدارت انجمن کے صدر کرنل بشیر حسین زیدی وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ فرمائیں گے۔ مفصل پروگرام عنقریب "ہماری زبان" میں شائع ہوگا اور لوگوں کو بھیجا جائے گا۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام انجمن کرے گی۔

## بہار میں ادب اردو کی ڈاکٹریٹ

معلوم ہوا ہے کہ بہار یونیورسٹی نے سید محمد حسین کی تھیسس بعنوان "مرزا محمد علی فدوی، ان کا عصر، حیات اور شاعری" کو پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے منظور کیا ہے۔

مرزا محمد علی فدوی شاہجہاں آباد کے ان مہاجر شعراء میں تھے جنہوں نے دہلی کے پرآشوب دنوں میں وطن سے ہجرت کی اور پورب میں مقیم ہوئے۔ فدوی عظیم آباد میں سکونت پذیر ہوئے اور ناظم عظیم آباد، مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق کی رفاقت میں انہوں نے اپنی زندگی کے بقیہ دن گزارے۔ فخر بہار شیخ غلام علی راسخ فدوی کے شاگرد تھے اور مشہور شاعر میر حسن ان کے گہرے دوستوں میں تھے۔ پٹنہ اور گرد و نواح میں ان کے ایک شعر کا ثانی مصرعہ بہت مشہور ہے

ٹک ساتھ ہو حسرت دل مرحوم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

اس تحقیقی مقالہ میں بہار اور عظیم آباد کی پچھلی دو سو برس کی علمی، ادبی اور ثقافتی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دبستان عظیم آباد کے وجود اور اس کی خصوصیات کو محققانہ طور پر منظر عام پر لایا گیا ہے اور فدوی کا کل دستیاب شدہ کلام پیش کیا گیا ہے۔

سید محمد حسین ریاست بہار کے پہلے ڈاکٹر ہیں۔ جنہوں نے ادب اردو میں پی۔ ایچ ڈی کیا ہے۔ اس لحاظ سے ڈاکٹر عظیم الدین احمد مرحوم اور ڈاکٹر محمد اقبال صدر شعبۂ فارسی، پٹنہ یونیورسٹی کے نام آتے ہیں جو ادب عربی اور ادب فارسی میں اس صوبے کے پہلے ڈاکٹروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک معروف ادیب اور کامیاب مدرس کی حیثیت سے ڈاکٹر سید محمد حسین کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ موصوف ملک کے مشہور ماہر لسانیات ڈاکٹر سید محمد محسن کے چھوٹے بھائی ہیں اور گیا کالج کے شعبۂ اردو میں لکچرر ہیں۔

## ناندیڑ میں آل انڈیا مشاعرہ

ناندیڑ میں مئی کے تیسرے ہفتے میں ایک آل انڈیا مشاعرہ ہو رہا ہے۔ جس میں حضرت جگر مرادآبادی کے علاوہ [illegible] مجروح سلطانپوری، عرش ملسیانی، [illegible] آنند نرائن ملا اور نشور واحدی وغیرہ کی شرکت کی توقع ہے۔

مشاعرہ کی صدارت کے لئے مسٹر [illegible] ریونیو سکریٹری حکومت بمبئی سے ربط پیدا کیا جا رہا ہے۔

مشاعرہ کے انتظام میں کلکٹر ضلع، سول سرجن ضلع وغیرہ کے علاوہ مسٹر سکندر علی وجد ایڈیشنل سیشن جج ناندیڑ بطور خاص دلچسپی لے رہے ہیں۔

### سنہ ۱۸۵۷ء

بسکہ فعال ما یرید ہے آج　ہر سلحشور انگلستاں کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے　زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے　گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرۂ خاک　تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آ سکے یاں تک　آدمی واں نہ جا سکے یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا　وہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر کیا کئے شکوہ　سوزش داغ ہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کئے باہم　ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا
اس طرح کے وصال سے غالبؔ
کیا مٹے دل سے داغ ہجراں کا

(غالبؔ)

ہ بعض نسخوں میں یاں تک ہے۔

### ایک تصحیح

"ہماری زبان" مورخہ ۲۲ اپریل کی اشاعت میں "ٹائپ یا سیقو" کے عنوان سے ایک مراسلہ جناب ہارون خاں شروانی کا شائع ہوا ہے اس میں پہلا سوال "سیقو کے بجائے" اردو "چھپ گیا ہے یہ سوال اب اس طرح پڑھا جائے۔ "کیا وجہ ہے کہ اردو کے دنیا کی کسی زبان کے اخبار رسالے اور کتابیں "سیقو" میں چھاپی جاتی ہیں؟"

ناظرین نوٹ کر لیں۔　(ادارہ ہماری زبان)

# اُردو دُنیا

## مسٹر کرشنکو کی اردو میں گفتگو

حیدرآباد ۸ / اپریل۔ روسی سفارت خانہ ہند کے نمائندے مسٹر کرشنکو نے جو اردو سے بھی واقف ہیں، وزیر فینانس ڈاکٹر بی گوپال ریڈی سے اردو میں بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ سوویٹ روس کی تمام قومیتوں کو اپنی تہذیبی ترقی اور ادب اور آرٹ کو فروغ دینے کی ساری سہولتیں حاصل ہیں۔ مسٹر کرشنکو روسی تعلیمی نمائش میں آویزاں مختلف تصاویر اور روسی ادیبوں کی تصانیف کے سلسلے میں استفسارات کا جواب دے رہے تھے۔ مسلم جمہوریتوں میں بولی جانے والی زبان کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ ان میں فارسی بھی بولی جاتی ہے اور یہاں کے ادیبوں اور شاعروں نے فارسی ادب اور شاعری سے گہرا اثر حاصل کیا ہے۔ اس موقع پر ڈاکٹر گوپال ریڈی نے مسز شاہجہاں بیگم سے مخاطب ہو کر کہا کہ "آپ کے پھول ڈیلی گیشن لے جانے کا کب ارادہ ہے" اس پر شاہجہاں بیگم نے کہا "اور کس بات کی ہے آپ جب بھی بھیجیں"

ڈاکٹر گوپال ریڈی نے کہا "آپ ام۔ ایل۔ اے ہیں اس کا فیصلہ تو آپ لوگ کر سکتے ہیں"

## الیکشن میں اردو

دراصل اردو کا مسئلہ ہندوستان کی تمام سیاسی پارٹیوں کے لئے ایک کسوٹی ہے۔ اگر کوئی جماعت واقعی حقیقی معنوں میں اپنے آپ کو فرقہ پرستی سے بالاتر سمجھتی ہے تو سب سے پہلے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہایت غیر مبہم طور پر نہ صرف اردو کے مسئلہ پر اپنے موقف کی وضاحت کرے بلکہ وعدوں کی پرانی راہوں سے ہٹ کر اردو کو اس کا جائز حق دلانے کے لئے کوئی موثر عملی اقدام بھی کرے۔ رسمی طور پر اردو کو ملک کی علاقائی زبانوں میں شامل کر کے مطمئن ہو جانا بہت ہی مضحکہ خیز بات ہے جسے اب ختم ہو جانا ہی بہتر ہے۔

حقیقتاً اگر اردو ہندوستان ہی کے کسی علاقے کی زبان ہے تو وہ علاقہ اس کو ملنا چاہئے۔ ورنہ دستور میں اس کا ذکر ہی بیکار ہے جس سے نہ اردو کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ اردو بولنے والے لاکھوں کروڑوں عوام کو۔ زبانی طور پر اردو کی حمایت میں بہت کچھ کیا جا چکا ہے۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ الکشن میں فرقہ پرست جماعتوں کی کامیابی کے بعد غیر فرقہ پرست جماعتیں اردو کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرتی ہیں۔! (مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ندوی کے مضمون سے اقتباس)

## ظفر علی اکیڈمی کے لئے مالی امداد

لاہور۔ پاکستان کے ممتاز صحافیوں اور ادیبوں اور سیاسی رہنماؤں نے مرکزی و صوبائی حکومتوں سے اپیل کی ہے کہ ظفر علی خاں اکیڈمی کو مالی امداد دینے میں فراخ دلی اور فیاضی سے کام لیا جائے۔

## پاکستان میں غیر صحت مند ادب کی درآمد ممنوع

کراچی۔ مرکزی حکومت نے بحری، بری اور ہوائی راستے سے پاکستان میں ایسی تمام کتابوں، جرائد، پمفلٹ یا دیگر مطبوعات کی درآمد ممنوع قرار دے دی ہے جن میں تصویروں کی مدد سے یا پورے طور پر تصویروں میں ایسی کہانیاں بیان کی گئی ہیں جو جرائم اور تشدد یا ظلم کے ارتکاب یا نفرت انگیز یا ہیبت ناک واقعات سے متعلق ہوں یہ اعلان غیر معمولی گزٹ مورخہ ۸ اپریل میں کیا گیا ہے۔

## بھارت کے ایک اردو شاعر کو وظیفہ

نئی دہلی۔ بھارت کے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد نے گیا کے مشہور اردو شاعر مولوی سید عباس کے لئے ایک سو روپے ماہوار کا وظیفہ منظور کیا ہے۔ یہ ۵۵ سالہ شاعر گورنمنٹ گرلز اسکول گیا میں ٹیچر ہیں۔

## جگر مرادآبادی ایک فلم میں

بمبئی۔ بسنت اسٹوڈیو نے ایک غیر معمولی فلم تیار کی ہے۔ اس میں مشہور شاعر جگر مرادآبادی خود آتے ہیں اور اپنی دو مشہور غزلیں سناتے ہیں۔ ان کی غزلیں سننے والے حاضرین میں شکیل بدایونی، مجروح سلطان پوری اور خمار بارہ بنکوی شامل ہیں

# انجمن کی خبریں

## بمبئی

### ایک ادبی جلسہ

انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی کے زیر اہتمام جمعہ ۱۹؍ اپریل ۵۷ء رات کو ۸½ بجے بمقام صابو صدیق ہال ایک خصوصی جلسہ منعقد ہوا جس میں جناب کرشن داس دیلا صاحب جنھوں نے اردو، فارسی، ہندی اور دوسری کئی زبانوں کے گہرے مطالعے کے بعد ان زبانوں کا ہم مضمون کلام اکٹھا کیا ہے، خصوصی مہمان تھے۔ اس کے بعد دیلا صاحب نے اس نشست میں مختلف زبانوں کے شعراء کا کلام پیش کیا جس میں ایک ہی طرح کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ اقبال، جگر، ٹیگور، کبیر، سرمد وغیرہ کے اشعار پیش کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب نے ایک دوسرے کے خیالات سے متاثر ہو کر اپنے کلام میں رنگ بھرا ہے۔ آخر میں انھوں نے اردو شاعری کے اساتذہ کے ہم مضمون اشعار شراب، آنسو، شمع وغیرہ عنوان کے تحت، اپنے مخصوص ترنم میں پڑھ کر سنائے اور سامعین کو محظوظ کیا اور اعلان کیا کہ ان کا ارادہ ہے کہ مختلف زبانوں کے بولنے والوں میں محبت اور ہم آہنگی بڑھانے کی خاطر وہ ایک ادارہ سجا شانتم قائم کریں گے اور اس کا افتتاح بمبئی میں کریں گے جو حقیقی معنوں میں سجا شانتم ہے۔ اختتام پر سکریٹری نے مہمان اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور اس طرح قریب ڈیڑھ گھنٹے کے بعد یہ دلچسپ محفل شعر برخاست ہوئی۔

## بلند شہر — تحریری انعامی مقابلہ

انجمن ترقی اردو شاخ بلند شہر نے ایک "تحریری انعامی مقابلہ" کا اہتمام کیا ہے جس میں طالب علم، اردو نواز اور دیگر اقسام کے حضرات شریک ہو سکتے ہیں جن صاحب کا مضمون اول ہوگا ان کو چند کتابیں نذر کی جائیں گی۔

مضمون نگار حضرات ذیل کے عنوانات پر مضمون لکھیں۔

(۱) اردو کی ترقی و ترویج کے ممکن ذرائع۔
(۲) حضرت نوح ناروی
(۳) اردو رسم خط

نوٹ:۔ مضمون نگار حضرات کو مندرجہ ذیل شرائط کا غائر مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۱) مضمون خوشخط اور ورق کے ایک ہی جانب لکھا جانا چاہیے۔
(۲) مضمون بڑے اختصار سے لکھا ہونا چاہیے۔
(۳) مضمون نگار کی مختصر سوانح حیات لکھی ہوتی چاہیے۔
(۴) مضمون دس صفحات فل اسکیپ پر مشتمل ہونا چاہیے
(۵) مضمون کے اختتام پر مضمون نگار کا مکمل پتہ ہونا ضروری ہے۔
۶۔ مضمون کے ساتھ ۲ آنے کے [illegible] یا ۱۲ نئے پیسے (جدید) کے ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔
۷۔ مضمون کٹا پھٹا یا پنسل سے نہ لکھا ہونا چاہیے ورنہ مشکوک تصور کیا جائے گا اور شریک مقابلہ نہ ہو سکے گا۔
۸۔ مضمون ارسال کرنے کی آخری تاریخ ۳۰ جولائی ہے۔
۹۔ مضمون "انجمن ترقی اردو شاخ بلند شہر" کے پتہ پر آنے چاہئیں۔

جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو
شاخ بلند شہر۔ یوپی

## غزل

ہم غم دہر کے اسرار نہاں تک پہنچے — سنگ سے کارگہ شیشہ گراں تک پہنچے
سجدہ بن کر کبھی محراب حرم سے گزرے — رنگ بن کر کبھی رخسار بتاں تک پہنچے
غازۂ چہرۂ ہستی کی طلب میں اکثر — مہر و مہ چھوڑ کے ہم کاہکشاں تک پہنچے
حسن فطرت سے ملا عظمت انساں کا سراغ — لالہ زاروں سے چلے لالہ رخاں تک پہنچے
ہم ترے واسطے اے شاہد رعنائے حیات — خاک سے اٹھ کے ستاروں کے جہاں تک پہنچے
ذرۂ خاک ہے طوفان قیامت بکنار — اپنی ہمت سے ہم اس تاب و تواں تک پہنچے
شوق تسخیر میں تاروں پہ کمندیں ڈالیں — نور لینے کے لئے برق تپاں تک پہنچے
تیرے دیوانے بہ شانہ کف تیشہ بدوش — زلف شیریں سے چلے کوہ گراں تک پہنچے

لب تک آئے نہ فریدی غم دل کے شکوے
حلقہ بن کر خم گیسوئے بتاں تک پہنچے

(مغیث الدین فریدی)

# کتابیں ـــــ جو جیل میں لکھی گئیں

حال میں دو ایسے اشخاص نے جنھیں سزائے موت سنائی جا چکی تھی جیل کی کوٹھری میں دو ایسی کتابیں لکھی ہیں جو لاکھوں کی تعداد میں ہاتھوں ہاتھ بک گئیں ان میں سے ایک کتاب کا نام ہے "کوٹھری نمبر ۲۴۵۵" اس کتاب میں قیدی کیرل چیسمین نے اپنی ان مساعی کا تذکرہ کیا ہے جو گزشتہ آٹھ سال میں اس بدنصیب نے سین کوئنٹن جیل کے گیس چیمبر سے بچنے کے لئے کی تھیں دوسری کتاب تھامس ای گیڈس کی ہے جس نے BIRDMAN OF ALCATRAZ میں اس سے بھی زیادہ ناقابل یقین داستان سنائی ہے۔

کیرل چیسمین کو جونہی جیل بھیجا گیا اس نے جیل کی لائبریری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان قوانین کا مطالعہ شروع کر دیا جو اس کی سزا سے متعلق تھے اور قانونی موشگافیوں سے وہ اپنی سزا کو بارہ سال ملتوی کراتا رہا۔

کتاب میں وہ ایک ایسا فرہیں قانون داں دکھائی دیتا ہے جو اگر امن پسند ہوتا اور قانون کی شاہراہ پر چلتا تو باعزت شہری بن سکتا۔

گیڈس نے اپنی کتاب میں ایک قیدی تھامس کارادڈ کا ذکر کیا ہے جو ان تمام پرندوں کا مطالعہ کرتا تھا جو اسکا ٹراز کے جیل کی کوٹھری میں آتے تھے۔ جیل میں اس نے کسی نہ کسی طرح دو مرغ اور ایک مرغی حاصل کی اور ان کی افزائش شروع کر دی اور جب ان مرغیوں میں ایک مہلک بیماری پھیل گئی تو اس نے آخر سے چیر پھاڑ کیا اور بیماری کی وجہ اور علاج معلوم کیا۔ پھر ایک کتاب لکھی "پرندوں کے امراض" اس کا شمار ریاست کی حد تک سرکردہ کتابوں میں کیا جاتا ہے۔

دنیا کی کئی اور کلاسیکی کتابیں جیل میں لکھی گئیں مثلاً اڈولف ہٹلر نے مائن کیمف (میری جدوجہد) لینسبرگ جیل میں لکھی۔ گاندھی جی کی "تلاش حق" اور نہرو جی کی "میری کہانی" بھی جیل ہی میں مکمل ہوئی۔

ایک اور معرکۃ الآرا کتاب میں فلیمنگ کا قیدی تھا، سٹیفن ادمان کا عذر کے پرندوں، لفافوں کے پشت رومال اور ایسی ہی اشیاء پر لکھ کر جیل سے باہر پھینکتا رہا اور جب وہ رہا ہوا تو اس نے سلسلہ کی کڑیاں ملا کر کتاب مرتب کی جو لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوئی۔

ادیب اور مسٹر لی پولاک نے جو "دو مہری" کے نام سے مشہور ہے اس وقت تک ایک سطر نہیں لکھی جب تک وہ فورڈ برڈ کے الزام میں جیل نہ بھیجا گیا۔ وہاں چونکہ وہ علم الادویہ سے واقف تھا اس لئے جیل میں ڈاکٹر کی امداد کے محکمہ میں اسے بہت سی مراعات دی گئیں وہاں ایک قیدی سے وہ جو افسانے سنتا انھیں لکھ کر رسائل کو بھیج کرتا تھا۔ ایک افسانہ تو ایک مذہبی میگزین میں بھی شائع ہوا۔ پانچ سال کی قید کے اختتام تک وہ ایک ادیب کی حیثیت سے نام پیدا کر چکا تھا۔ اسے اپنی کتابوں کا کافی معاوضہ بھی ملا۔

دوستووسکی کو انقلابی خیالات کی تشہیر کے جرم میں اومسک کے بھیانک قلعہ میں نظر بند کیا گیا تھا جہاں اس نے THE FAMILY FRIEND لکھی "جرم و سزا" کی پلاٹنگ بھی جیل ہی میں کی۔

جب لی ہنٹ کو پرنس ریجنٹ کی توہین کے سلسلے میں دو سال کی قید کی سزا ملی تو جیل میں اسے لکھنے پڑھنے کی سہولت دی گئی جہاں اس نے "سٹوری آف ریمنی" اور "دی ڈسنٹ اف برٹی" نامی دو کتابیں لکھیں جو ہزاروں کی تعداد میں فروخت ہوئیں ستم ظریفی دیکھئے کہ آخر میں حکومت نے اسے پنشن مقرر کی۔

جرمنی کے ارنسٹ ٹامر نے جیل میں اپنی بہترین تصانیف لکھیں۔ آسکر وائلڈ نے اپنی کتابیں GAOLBALLD OF READING اور PROFOUNDIS DEAY بھی جیل ہی میں لکھی۔ انجیل کے اکثر حصے بالخصوص سنٹ پال سے متعلقہ جیل ہی میں مکمل ہوئے۔ اسی طرح بنیان کی پلگرمس پروگریس اور سر والٹر ریلے کے "گریٹ ورک" جیل میں لکھے گئے۔

والٹر ریلے نے اپنی مشہور "تاریخ عالم" ٹاور آف لندن میں اسی وقت لکھی۔ جب اسے سزائے موت سنائی۔ جیل میں سروینٹیس نے ڈان کوئیکسوٹ اور مارکوپولو نے قبلہ خان سے ملاقات کے واقعات لکھے۔

# ۱۸۵۷ء کے واقعات روسیوں کی نظر میں

سوویت یونین کے علماء ہندوستان کے ۱۸۵۷ء کے غدر کا مطالعہ بہت دلچسپی سے کرتے ہیں۔ اس دلچسپی کی بنیاد تاریخ کا یہ نظریہ نہیں ہے کہ تاریخ داخلی تصورات کا ایک مجموعہ ہے بلکہ وہ تاریخ کو خارجی قوتوں کا مسلسل سمجھتے ہیں جن کے مطالعہ سے وہ سمت سمجھ میں آتی ہے جس طرف سماج آگے بڑھ رہا ہے۔ ماضی میں ہندوستانی عوام کی دلیرانہ جدوجہد آج ہندوستان کا ایک عظیم ملک کی شکل اختیار کرنا اور آئندہ ترقی کے امکانات وہ موضوع ہیں، جو ہندوستان کی تاریخ کے مطالعے کو دلچسپ اور ذمہ داری کا کام بنا دیتے ہیں۔

سوویت علما کا کہنا ہے کہ ہندوستان کا غدر سب واقعات سے الگ تھلگ چیز نہیں ہے۔ ہندوستان کا غدر، چین میں تائی پنگ بغاوت، ایران میں باب کی تحریک اور انڈونیشیا میں آزادی کا عروج یہ سب قوموں کا ان کوششوں کے خلاف ردعمل تھا کہ ان ملکوں کو نوآبادیاں بنالیا جائے۔

ہندوستان کے غدر کا رخ انگریزی راج کے خلاف تھا اور کسان دستکار اور سپاہی اس کے روح رواں تھے لیکن ان قوتوں کے ساتھ ساتھ قوتیں بھی تھیں جن کی رہنمائی ان رجواڑوں کے ہاتھ میں تھی جن کی ریاستیں انگریزوں نے چھین لی تھیں اور جنھوں نے بھی یہ سوچا ہے کہ اپنی کھوئی ہوئی ریاستیں پھر سے واپس لے لیں۔ اس غدر کی اصل کمزوری تنظیم کا فقدان تھی۔

اس بات کے باوجود کہ غدر کو دبا دیا گیا۔ اس نے ہندوستان میں قومی شعور کو ترقی دینے میں غیر معمولی طور پر اہم پارٹ ادا کیا اور ایک مضبوط بنیاد رکھ دی کہ سامراج دشمن عناصر مذہب، ذات، پات یا ذیان کے اختلافات کو نظر انداز کر کے مشترکہ طور پر جدوجہد کریں۔

مختلف قسم کی ان قوتوں کے عارضی اتحاد کی بدولت باغیوں کو ابتدائی کامیابیاں ہوئیں۔ لیکن بعد میں یہی حقیقت ان کی کمزوری کا باعث ہوئی۔ چند جاگیرداروں (تانتیا ٹوپی، لکشمی بائی وغیرہ) کے علاوہ باغیوں نے بغاوت سے غداری کی اور کسان اور دستکار خود اپنے ایسے رہنما پیش نہ کر سکے جو ذمہ داریاں پوری کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں اور اگرچہ انجام کار بغاوت ناکام ہوئی اور اس کی ایک وجہ ملک کی تمدنی معاشیاتی پسماندگی اور انتشار بھی تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے بڑا ہی ترقی پسندانہ حصہ ادا کیا۔

سوویت تاریخ دانوں کی رائے ہے کہ کسی تاریخی واقعے کی حیثیت کا صحیح صحیح تعین تاریخی حالات کی جانب خارجی رویہ اختیار کرنے کی بنیاد پر ہی کیا جا سکتا ہے۔

بغاوت میں عوام الناس کی شرکت با لحاظ اس کے کہ ان کا طبقاتی شعور کیا تھا اور چاہے وہ جاگیردارانہ نعروں کے تحت ہی اس میں شریک کیوں نہ ہوئے ہوں۔ جاگیردارانہ نظام پر ضرب کاری لگاتی ہے۔ یہ بات بھی دھیان میں رکھنی چاہئے کہ وسط انیسویں صدی کا ہندوستان مغلوں کے زمانے کا ہندوستان نہ تھا۔ اس وقت تک یہ ملک عالمی منڈی کی زد میں آچکا تھا اور وہاں یورپ کے تعلیم یافتہ دانشوروں کا ایک طبقہ بھی پیدا ہو چکا تھا۔ اگرچہ تعداد کے اعتبار سے وہ بہت ہی چھوٹا سا تھا۔ فیکٹریوں میں شروع شروع کی دخانی مشینیں، تار، برقی اور ریلیں ہندوستان میں چل پڑی تھیں۔ اس میں تو کلام نہیں کہ اگر ۱۸۵۷ء کے باغی کامیاب ہو گئے ہوتے تو ترقی کی راہ پر ہندوستان کی نشوونما اور ترقی کہیں زیادہ تیز رفتار ہوتی ترقی ایک خودمختار ملک کی طرح ہوتی نو آبادی کی طرح نہیں۔

۱۸۵۷ء - ۱۸۵۹ء کے واقعات کی زبردست تاریخی اہمیت یہ ہے کہ جنگ آزادی نے انگریزوں کی فوق القدرت طاقت کا طلسم توڑ دیا اور دکھا دیا کہ میدان جنگ میں انھیں بھی شکست ہو سکتی ہے ہندوستان میں ان کی حکومت کے ناپائدار اور غیر محفوظ ہونے کا راز بھی فاش کر دیا اور اس بغاوت نے عوام الناس کو یہ بھی بتا دیا کہ ملک کی آزادی کی لڑائی میں جاگیرداروں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

(سوویت دیس)

# معاصرین

ہندوپاک کا عظیم الشان اردو مشاعرہ جو اسی مارچ میں دہلی میں دھوم دھام سے منعقد ہوا تھا کسی جھونپڑی میں نہیں بلکہ نئی دہلی کی ایک سرکاری اور قابل دید عمارت وگیان بھون میں جہاں کچھ ہی روز قبل یونسکو کا اجلاس ہو چکا تھا اور کہنا چاہیے کہ نیم سرکاری سرپرستی میں منعقد ہوا تھا۔ اس کی صدارت آپ کو علم ہے کہ یونین کے وزراء کے ناموں میں سے کس نے کی تھی؟ مولانا ابوالکلام نے نہیں۔ ڈاکٹر سید محمود نے بھی نہیں بلکہ پہلے تو وزیر خوراک شری اجیت پرشاد جین نے اور پھر دوسری نشست میں نائب وزیر دفاع سردار سرجیت سنگھ مجیٹھیا نے۔ اردو مشاعرہ کا منتظم اعلیٰ اور سکریٹری کون تھا؟ کوئی مسلمان شاعر نہیں۔ پنڈت ہری چند اختر! ——— پھر اس کے ہزارہا ہزار کے مصارف کہاں سے آئے؟ کسی نواب یا نواب زادہ کی جیب سے نہیں بلکہ دہلی کے مشہور ساہوکار اور دلی کلاتھ اینڈ جنرل ملز کے آنجہانی مالک سر شنکر لال شنکر اور لائل پور کاٹن ملز کے آنجہانی مالک لالہ مرلی دھر شاد کے قائم کئے ہوئے فنڈ سے۔

---

مشاعرہ کے دوسرے کرتا دھرتا بعد ہری چند اختر کے بخشی گوپی ناتھ امن لکھنوی تھے اور ہندوستان کے جن شاعروں نے اپنا کلام شوق کے ساتھ سنایا، اور پاکستانی بھائیوں کا تپاک کے ساتھ خیر مقدم کیا، ان میں جہاں روش صدیقی اور ساغر نظامی تھے وہیں مہندر سنگھ بیدی سحر، جگن ناتھ آزاد، رگھوپتی سہائے فراق، بالمکند عرش اور بیج ناتھ رعنا بھی تھے! اور دو بجے رات تک جاگ کر شوق و اشتیاق سے سننے والوں اور داد دینے والوں کے مجمع میں جہاں بکثرت مسلمان تھے، وہیں اسی کثرت سے ہندو اور پھر سکھ بھی تھے! اور جس نے غالب کے مصرعہ پر گرہ لگا کر یہ چبھیلا اور نکیلا شعر سر محفل برملا سنایا۔

یارب نہ سنا ہے وہ سمجھتے نہیں اردو
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

وہ کوئی میاں صاحب نہ تھے، بالمکند عرش ملسیانی ہی تھے!

—— لیکن ہوا کریں یہ سارے واقعات و حقائق۔ آپ یہ ساری سرگزشت سنی ان سنی کر جائیے، ان سارے مشاہدات کی طرف سے آنکھیں بند کر لیجئے اور سمجھا یہی کیجئے کہ اردو بھی کوئی زبان ہے۔ ملک کی زبانوں میں چودھویں نمبر پر جگہ پانے والی اور وہ بھی جواہر لال کی مسلم نوازی کے صدقے میں! وہ زبان اگر ہے بھی تو تھوڑے سے مسلمانوں کی، ورنہ کسی ہندو اور کسی سکھ کو اس سے واسطہ کیا۔

(صدق جدید لکھنؤ)

## پنجاب میں اردو کا تحفظ

اس وقت میرے سامنے پنجاب یونیورسٹی کے منشی فاضل کے امتحان کا نتیجہ ہے۔ اس امتحان میں جو طلبہ کامیاب ہوئے ہیں ان میں امتیازی حیثیت ہندو طالب علموں کی ہے۔ اول آنے والے طالب علم مین لال گپتا نے ۴۰۴ نمبر حاصل کئے ہیں۔ دوم نمبر پر آنے والا طالب علم ایک سکھ رتن سنگھ ہے جس نے ۳۹۴ نمبر حاصل کئے ہیں۔ تیسرے درجہ پر جو طالب علم آیا ہے اس کا نام بشیشر ناتھ ہے وہ ۳۰۱ نمبر لے کر کامیاب ہوا ہے۔ چوتھا امتیازی درجہ بھی ایک ہندو طالب علم نے ۳۰۰ نمبر لے کر حاصل کیا ہے۔ اس کے بعد ایک مسلمان طالب علم ضیاء الحق کا نام آتا ہے جس نے ۲۹۰ نمبر حاصل کئے ہیں۔ چھٹا، ساتواں، آٹھواں، نواں اور دسواں امتیازی درجہ بھی ہندو اور سکھ طالب علموں نے حاصل کیا ہے۔ ان کے نام ہیں رگھوناتھ سنگھ، ملک ونی چند، منوہر لال وج، ملک لال چند اور رام پرکاش۔

مجھے پنجاب یونیورسٹی کے اس نتیجہ کا اعادہ کرنے کی ضرورت یہاں اس لئے پیش آئی ہے تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ پنجاب سرکار یا پنجاب کے محکمہ تعلیم کا یہ نظریہ غلط ہے کہ چونکہ پنجاب میں مسلمان نہیں رہے یا بہت کم ہیں اس لئے یہاں اردو اور فارسی کی تعلیم جاری رکھنا بے سود ہے۔ اس نتیجہ کو دیکھ کر پنجاب سرکار کو کم از کم یہ احساس تو ہونا چاہیے کہ اس اسٹیٹ میں ہندوؤں میں فارسی اور اردو پڑھنے کا شوق ختم نہیں ہوا۔ اور اردو اور فارسی زبان کی اس کس مپرسی کی حالت میں بھی وہ اس میدان میں مسلمانوں سے گوئے سبقت لے جا سکتے ہیں۔

اگر پہلے کی طرح پنجاب میں اردو اور فارسی زبانوں کو فروغ حاصل ہوتا اور سکولوں اور کالجوں میں ان زبانوں کی پڑھائی کے مناسب اور تسلی بخش انتظامات ہوتے تو جہاں فارسی اور اردو پڑھنے والے ہندو طالب علموں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے وہاں امتیازی پوزیشن کے حصول کے سلسلے میں بھی ان کا پلہ بھاری ہوتا۔

بہرحال پنجاب یونیورسٹی کے یہ نتائج اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ پنجاب سرکار اردو کش پالیسی کے باوجود پنجاب میں اردو اور فارسی پڑھنے کا ذوق ختم نہیں ہوا۔ یہ درست ہے کہ پنجاب سرکار کی اگر یہی پالیسی رہی تو اس صوبے سے اردو ختم ہو جائے گی۔ ہمارے موجودہ بچوں میں کوئی بھی بچہ ایسا نہیں جو اردو کی ابجد تک سے واقف ہو لیکن اس کے ساتھ ہی پنجاب سرکار اس الزام سے نہیں بچ سکے گی کہ اردو کا جنازہ اس نے اپنے کندھوں پر اٹھایا ہے۔ ورنہ اس کے لئے کوئی وجہ جواز نہ تھی۔

(روزنامہ [illegible] جالندھر)

## گورنر کی زبان سے

(گورنر مدراس (اور موجودہ گورنر بمبئی)

ہز ایکسیلنسی شری سری پرکاش کی تقریر فروری ۵۶ء میں اے جے اردو سیمینار (مدراس) کے موقع پر۔

" بھائیو اور بہنو میں اپنے آپ کو آپ لوگوں کے درمیان پاکر بیحد خوش ہوا ہوں۔ میں آپ لوگوں کا دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یہ موقع عطا فرمایا۔ آپ لوگ ایسی زبان بولتے ہیں جو میں سمجھتا ہوں آپ ہی لوگوں کی وجہ سے میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ میں اپنے وطن سے دور نہیں ہوں۔ آپ لوگ شاعروں کی میٹھی بولی سنتے آئے ہیں۔ میں اپنے پھیکے الفاظ سے اس لطف کو کم کرنا نہیں چاہتا ہمیں بہت دنوں کے بعد آزادی ملی ہے۔ ہمیں ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس سے آزادی پھر خطرے میں پڑ جائے۔ ہمیں اردو زبان کی تاریخ سے سبق لینا ہے۔ مختلف قوموں کے میل ملاپ سے یہ میٹھی زبان پیدا ہوئی ہے۔ میل ملاپ سے ہماری زندگی خوشگوار بن سکتی ہے۔" (ذانوس خیال مدراس۔ سالنامہ بابت ۵۷-۱۹۵۶ء)

لیجئے یہ گورنر صاحب اردو زبان کے قائل نہیں بلکہ مدراس تک کے بعض طبقوں میں اس کے پھیلے ہونے کے قائل ہیں! اور یہی نہیں بلکہ انہیں اردو والوں کی ہم زبانی کی بنا پر اپنے کو پردیس (مدراس) کے اندر دیس (بنارس) میں سمجھ رہے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اردو کو مثال میں پیش کرکے تفرقہ و جدائی کا نہیں بلکہ ایکتا اور میل ملاپ کا سبق حاصل کر رہے ہیں اور اردو زبان کی مٹھاس کا اقرار کھلم کھلا کر رہے ہیں۔ یوپی سرکار کی فراخ دلی اور دل رواداری و ضبط و تحمل کے لئے یہی بہت ہے کہ ایسی تقریروں کے جواب میں وہ کوئی بیان نہیں شائع کرتی!....... خوب ہے یہ بنارس کی سرزمین بھی جو ایک طرف جنم دیتی ہے ایسے اردو نواز گورنر کو، تو دوسری طرف ایک مشہور اردو کش چیف منسٹر کو!

(صدق جدید)

**علی گڑھ میگزین کا "مجاز نمبر"**

اس خاص نمبر میں مجاز کی سیرت، شخصیت اور شاعری سے متعلق حسب ذیل حضرات کے مضامین ہیں۔

پروفیسر آل احمد سرور، پروفیسر احتشام حسین، حمیدہ سالم، خلیل الرحمن اعظمی، عبادت بریلوی، ملیکش اکبرآبادی وغیرہ

**انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ**

# مراسلات

## ہماری صحافت

ہماری زبان کی پچھلی دو چار اشاعتوں میں ایسے اخباروں اور رسالوں کی فہرست شائع ہوئی ہے جو ہماری زبان اور اردو ادب کے تبادلے میں آتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ایسے اردو ہفتہ وار، پندرہ روزہ اخبار، ماہنامے اور روز نامے ہیں جو پابندی اوقات شائع ہو رہے ہیں نہ صرف یہ بلکہ ہر سال مختلف جامعات اور کلیہ جات سے کئی اردو رسائل شائع ہوتے ہیں کیا ہی اچھا ہوتا کہ ایسے تمام اخبار و رسائل کی ایک مکمل فہرست شائع کر دی جاتی جس سے ظاہر ہو جاتا کہ اردو کو ختم کرنے کی تمام کوششوں کے باوجود اتنے اخبار و رسائل شائع ہو رہے ہیں یہ ایک کام کی چیز ہوتی۔

(محمد عبیداللہ شریف)

## نصیرالدین ہاشمی

ہماری زبان میں خلیل الرحمن صاحب کے مضامین کافی دلچسپ ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ ان کو وسعت دی جائے گی۔ علی ہذا ڈاکٹر مختار الدین صاحب آرزو کے مضامین معلومات آفریں ہوتے ہیں۔ یورپ میں اردو کا جو ذخیرہ محفوظ ہے۔ ان سے میں نے صرف دکنیات کا استفادہ کیا تھا اردو کا ایسا ذخیرہ بہت زیادہ تھا جس سے میں نے استفادہ نہیں کیا تھا۔ مختار الدین صاحب نے ان سے استفادہ کرکے بہت کچھ مسالہ اکٹھا کیا ہوگا۔ یہ ہمدردان اردو کے لئے دلچسپی کا سامان ہو سکتا ہے۔ امید ہے آپ نے کتب خانہ سالار جنگ کی وضاحتی فہرست کا مطالعہ کیا ہوگا۔ ہماری زبان میں اس کے ریویو کا منتظر ہوں۔ نقد احتشام بھی ضرور ملاحظہ کیجئے۔

میری ایک کتاب جو "دکنی ہندو اور اردو" سے موسوم ہے ادارہ ادبیات اردو کی جانب سے شائع ہونے والی ہے۔ اس کا "پیش لفظ" ہز ایکسیلنسی بی رام کرشن راؤ گورنر کیرالا نے قلم بند کیا ہے کتاب کے شائع ہونے میں ایک ماہ کا عرصہ ہوگا کیا اس پیش لفظ کو "ہماری زبان" میں شائع کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ اس کو مناسب تصور کریں تو یہ پیش لفظ ارسال خدمت کیا جا سکتا ہے۔

**غالب پر دو کتابیں**

۱۔ احوال غالب مرتبہ مختار الدین آرزو قیمت -/۹ روپے

۲۔ نقد غالب " " " -/۱۰ "

# یونسکو کا ترجموں کا پروگرام

کسی قوم کی تہذیب کو سمجھنے کا سب سے آسان راستہ اس کے ادب کے ذریعے ہے لیکن یہ ہمیشہ اس لئے ممکن نہیں ہوتا کہ زبان کی دشواریاں آڑے آتی ہیں۔ یونسکو نے اپنے ذمہ یہ کام لیا ہے کہ ایسی رکاوٹوں کو دور کرے اور ملکوں کے درمیان بہتر تعلقات پیدا کرنے کے لئے فضا سازگار کرے

۱۹۴۸ سے جب کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے پہلے اجلاس نے یہ تجویز پیش کی، یونسکو مسلسل کوشش کر رہی ہے کہ ایسے تراجم کی برابر حوصلہ افزائی کی جائے جو مختلف رکن ریاستوں کی تہذیب کی نمائندگی کرتی ہیں یہ ترجمے ایسی زبانوں میں ہونے چاہئیں جو زیادہ بولی جاتی ہیں۔

یونسکو ہر رکن ریاست کی بہترین تصانیف کو دوسری قوموں کی زبان میں ترجمہ کر کے باہمی مفاہمت پیدا کرنا چاہتی ہے جب پہلے پہل یہ منصوبہ شروع کیا گیا تو عربی سے تراجم اور عربی میں تراجم تک محدود تھا لبنانی حکومت سے معاہدے کے مطابق یونسکو نے بیروت میں ایک بین الاقوامی کمیشن قائم کیا جس کا مقصد اہم تصانیف کا ترجمہ تھا ۱۹۴۹ء میں یونسکو نے امریکی ریاستوں کی تنظیم کے تعاون سے اس منصوبے کو اور وسعت دیتے ہوئے لاطینی امریکی ادب کو بھی اپنے منصوبے میں شامل کر لیا۔ یونسکو نے ان تصانیف کو فرانسیسی میں ترجمہ کرنے کی ذمہ داری لی اور امریکی ریاستوں کی تنظیم نے اسی سلسلے کو انگریزی میں منتقل کیا۔

آہستہ آہستہ یہ منصوبہ اور پھیلا اور اب اس میں اطالوی اور فارسی اور دیگر مشرقی زبانیں خاص طور پر ہندوستان چین اور جاپان کی زبانیں آگئیں۔ ۱۹۵۵ء تک یونسکو کے تراجم میں ۲۵ زبانوں کا ادب آگیا۔ عربی، ارجنٹائن، بنگالی، بولیوین، برازیلی، چینی، کولمبیائی، کیوبان اور دومینیکن، انگریزی، فرانسیسی جرمن، یونانی، ہندی، اطالوی، جاپانی، مرہٹی، میکسیکن، پنجابی فارسی، سنسکرت، اسپینی، تھائی، تامل اور یوروگوئے کی زبان۔

اس کام کو یونسکو نے اس لئے اور بھی کیا کہ کسی کا ذاتی طور پر کرنا ممکن نہ تھا۔ کتابوں کا انتخاب اور ان لوگوں کا انتخاب جو ترجمے یا اشاعت کے ذمے دار قرار دئے جائیں۔ من مانے طور پر نہیں کیا جاتا۔ ۱۹۵۱ء تک یونسکو اور مختلف ممالک کی حکومتیں یہ انتخاب اتفاق رائے سے کرتی تھیں۔ ۱۹۵۲ء میں یونسکو نے فلسفے اور انسانی علوم کی بین الاقوامی کونسل سے درخواست کی کہ وہ ماہرین کی ایک کمیٹی کو نامزد کرے جو اس کام کو انجام دے اس کمیٹی کا دو بار جلسہ ہوا، ایک بار ۱۹۵۳ء اور پھر دوسری بار ۱۹۵۵ء میں اس کے بعد یہ کمیٹی چار ذیلی کمیٹیوں میں تقسیم ہو گئی۔ لاطینی، امریکی اطالوی، مشرق وسطیٰ، ہندوستان اور مشرق بعید یونسکو نے بڑی حد تک اس کام کی تکمیل کر لی ہے۔

جن کتابوں کا ان منصوبوں کے تحت ترجمہ ہوا ہے وہ مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں جیسے منطق، جغرافیہ، طب، مذہب اور ادب۔ عربی سے جن کتابوں کا ترجمہ ہوا ہے ان میں سے چند کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

KITABALISARAT WAL- TANBIHAT,

KITAB ALBUALHA, TAHAPUTALTAHAFUT,

اسی طرح متعدد انگریزی اور فرانسیسی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں جن میں DON QUIKTE اور AWINTERS TALE شامل ہیں۔

لاطینی امریکی سلسلے میں دو تصانیف ہیں:۔

ANTHOLOGIE DELA POESIE MEXICAINE

جو میکسیکن شاعری کی نظموں کا مجموعہ ہے اور ایک دلکش ناول QUINCAS BORBA مصنفہ موکیڈو ڈی اسس یہ انیسویں صدی کا ایک بہت بڑا ناول نگار تھا۔

DANESH NAMEH اور RECIT DE HAY YAGZAN دانش نامہ، فارسی کی تصانیف ہیں جو فرانسیسی میں ترجمہ کی گئی ہیں انگریزی میں جاپانی ادب کا ایک مجموعہ تیار کیا گیا ہے جس میں ابتدا سے لے کر وسط انیسویں صدی تک کے ادب کا ایک انتخاب ہے جس سے جاپان کے عظیم ادب کا اندازہ ہوتا ہے اس میں دنیا کے عظیم ترین ناول اور مختصر ترین نظمیں اور ڈرامے شامل ہیں جن میں کنایات کے تجزیے اور تخیل کی سحر طرازیاں ہیں۔

حال ہی میں یونسکو نے مرہٹی سے تکارام کے بھجنوں کا فرانسیسی میں PSAUMES DU PELERIN کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ یہ پہلی ہندستانی کلاسیکی کتاب ہے جو یونسکو کے اہتمام میں شائع ہوئی ہے اس ترجمے کے پروگرام کے تحت INDIAN INSTITUTE OF WORLD CULTURE, BANGALORE کی جانب سے ہندستانی وراثت THE INDIAN HERITAGE شائع ہوئی ہے اس میں سنسکرت ادب کا ایک اچھا انتخاب ہے جسے ڈاکٹر راگھون نے مرتب کیا ہے۔ آیہ کل بنکم چٹرجی کی کتاب کرشنا کانتا کی وصیت، گئو دان، اور سکھوں کی مقدس کتاب "ادی گرنتھ" زیر ترتیب ہیں۔ تروولوڑ کی تصنیف تھلکرال تامل سے شری راجگوپال اچاری ترجمہ کر رہے ہیں جو عنقریب شائع ہو جائے گی۔

پریم چند کی گئو دان اور کبیر کے دوہے اور کشمیر کے شیو بھکتی صحیفے اور رگ وید کے کچھ بھجن بھی فرانسیسی میں ترجمہ کئے جا رہے ہیں۔

یونسکو نے جو کام اپنے ذمے لیا ہے وہ آسان نہیں کیونکہ اس کی کامیابی کا معیار قوموں کی باہمی مفاہمت کا وہ فروغ ہے جو اس کام کے ذریعے سے ممکن ہو سکے گا۔ اس طرح قوموں کو یہ احساس ہو جائے گا کہ رنگ، نسل، مزاج اور زبان کے فرق کے باوجود افراد ہر جگہ ایک سے ہیں۔ ان میں وہی تخلیقی تمنائیں ہیں جو عظیم ادب کے ظہور کا باعث ہوتی ہیں۔ وہی قوت ایجاد ہے، وہی صداقت کی جستجو اور ایک بہتر دنیا تعمیر کرنے کا جذبہ ہے۔

## بقیہ ہندستانی تھیٹر

ہندستانی تھیٹر کی بنیاد ہر زبان کی بہترین چیزوں پر ڈالنی چاہئے۔ یہ ایک مشکل مگر مقدس کام ہے جسے پیشہ ور اشخاص کو تجارتی منافع کا خیال رکھتے ہوئے انجام دینا ہے۔ یہ کام حکومت کے کرنے کا ہے اور تھیٹر کے شائقین اس دن کے منتظر ہیں جب ان کی یہ خواہش پوری ہوگی

(بہ شکریہ "انڈین لیسنر")

## ہندی میں بچوں کے لئے کتابیں

لکھنؤ ۲۰ اپریل۔ حکومت ہند بچوں کے ادب کے فروغ کے لئے ناشرین کی ہمت افزائی کے خیال سے تجربہ کار ناشرین سے درخواست کی ہے کہ وہ ایسی کتابوں کی اشاعت کو تجاویز پیش کریں جو بچوں کے ادب کی ترقی میں معاون ثابت ہوں۔

یہ کتابیں غیر ملکی کلاسیکی ادب اور علم حیات کے متعلق ہونی چاہئیں۔ ہر ایک ناشر کو مجوزہ کتابیں حکومت کے مقرر کردہ فارم میں شائع کرنی ہوں گی۔ ایسی کتابوں کی قیمت وزارت تعلیم حکومت ہند کے مشورہ سے مقرر کی جائے گی۔ ناشرین کو لازمی طور پر اس قسم کے ادب کے متعلق اپنی سابق مطبوعات پیش کرنی ہوں گی۔

ہر ایک ناشر کو وزارت تعلیم کی منظوری کے بعد ہر ایک کتاب کی زیادہ سے زیادہ ہزار کاپیاں شائع کرنی ہوں گی۔

وزارت تعلیم نے منتخب شدہ ناشروں کو کتابوں کی اشاعت کے کل خرچ کا ۲/۱ حصہ بطور امداد دینے کا فیصلہ کیا یہ امداد کتابیں کی اشاعت کے بعد دی جائے گی۔

حکومت ہند تمام منظور شدہ مطبوعات کی ۲-۳ ہزار کاپیاں ۲۵ فیصدی تجارتی کمیشن پر خرید کرے گی اس سلسلے میں تمام درخواستیں ہر ایک کتاب کی اشاعت کے خرچ کی تفصیلات اور اسی نوعیت کے ادب کے متعلق سابقہ مطبوعات کے نمونوں کے ساتھ اسسٹنٹ ایجوکیشن ایڈوائزر (بی۔۲) منسٹری آف ایجوکیشن گورنمنٹ آف انڈیا نئی دہلی کے دفتر میں ۱۵ مئی ۱۹۵۶ تک پہنچ جانی چاہئیں۔



(پرنٹر پبلشر ... نیشنل پرنٹنگ پریس ... علی گڑھ ... شائع کیا)